سن بھوپالی

نظمانے

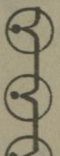

(مختصر منظوم افسانے)

محسن بھوپالی

(جملہ حقوق بحق مقبول کشور اہلیہ مصنف محفوظ ہیں)

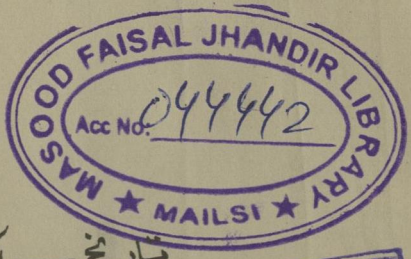

تاریخ ـــــ اکتوبر ۱۹۷۵ء
تعداد ـــــ ایک ہزار
مطبع ـــــ آئیڈیل پیکیجز کراچی نمبر ۱
طابع ـــــ افتخار احمد ہاشمی
سرورق ـــــ آذر ذوبی

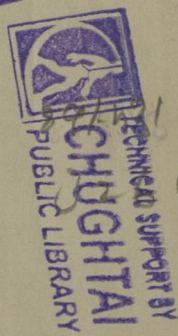

کتاب خانہ سردار جھنڈیر
میلسی (ضلع وہاڑی)
نمبر شمار : .....
کتاب نمبر : .....

قیمت ـــــ دس روپے

ناشرین : عوامی دارالاشاعت ۸۷ ڈی نرسری پی ای سی ایچ ایس کراچی

بہ اہتمام : ادبستانِ جدید ۸ سی محمد علی سوسائٹی۔ کراچی

انتساب

اپنے لڑکپن کے دوست محمد محسن کے نام

891.431
م ن

برہمی حال کی ہے ساری مرے دیواں میں
سیر کر تو بھی یہ مجموعۂ پریشانی کا

میر

ترتیب

محسن کی نظمانہ نگاری	۷
ابتدائیہ	۲۵
زندہ رہنے کا فن	۲۹
نصیحت	۳۰
المیہ	۳۱
پچھتاوا	۳۲
بھائی چارا	۳۳
ایف۔آئی۔آر	۳۴
انٹرویو	۳۵
شہرت	۳۶
بال ہٹ	۳۷
ممتا	۳۸
دست شناسی	۳۹
عرس	۴۰
اہم نکتہ	۴۱
تن آسانی	۴۲
بردہ فروش	۴۳
دعوتِ ولیمہ	۴۴
گروپ فوٹو	۴۵
مشورہ	۴۶
سات آسمان	۴۷
مجرم کون	۴۸
ہانڈی وال	۴۹
آخری خواہش	۵۰
دو گھر	۵۱
سرِ راہے	۵۲
حرفِ وداع	۵۳
رزق	۵۴

فرض شناس ۵۵
عزمِ مُشترک ۵۶
آخری مُکالمہ ۵۷
معیار ۵۸
دل آنے کے ڈھنگ ۵۹
شیر شاہ بازار ۶۰
چالان ۶۱
رسم ۶۲
تبصرہ ۶۳
حفظِ ماتقدّم ۶۴
خود فریبی ۶۵
کارکُن ۶۶
معمول ۶۷
وجہ بیگانگی ۶۸
گرلز کالج کی بس ۶۹
پھیری والا ۷۰
کمرشل بیوی ۷۱
ورثہ ۷۲
تنقیدی نشست ۷۳
انٹلکچول ۷۴
شریف آدمی ۷۵
آسُودہ تنکے ۷۶
سام راج ۷۹
دو ملک ایک کہانی ۸۰
خوں بہا ۸۱
نیا پکاسو ۸۲
انتقام ۸۳
بہرُوپیا ۸۴
شرطِ اشتراک ۸۵
پہلا انٹرویو ۸۶
دُوسرا انٹرویو ۸۷
کالج الیکشن ۸۸
گرُو ۹۱
بھاگاں والی ۹۲
حق ہمسایہ ۹۳
ندامت کا زخم ۹۴
اس بازار میں رپورٹر ۹۵
دوروپ ۹۶
مریضہ ۹۷
ٹیڑھا سوال ۹۸
طلب و رسد ۹۹
عزمِ نشاط ۱۰۰
نعم البدل ۱۰۱
وُہ شخص ۱۰۲
دُوسرا شکار ۱۰۳
دل کا چور ۱۰۴

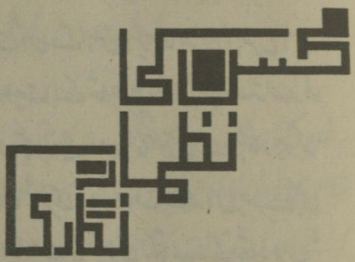

محسن کی نظم نگاری

شاعری سیرِ ذات بھی ہے اور تسخیرِ شش جہات بھی۔ ہر شاعر کا مرتبہ اور مقام اسی اعتبار سے متعین ہوتا ہے کہ اُس نے اقلیمِ سخن کے کتنے حصّے کی سیر کی ہے اور کتنی جہات کی تسخیر پر قناعت کی۔ پھر اِس امر کا جائزہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہر تجربہ اور احساس کو جمالیاتی تجربے اور جمالیاتی احساس میں ڈھالنے کے لیے اُس نے اپنے ہُنر کو کِس قدر جلا بخشی ہے اور اُس میں انفرادیت کے کتنے رنگ اُجاگر کیے ہیں۔ انفرادیت کا جہاں تک تعلق ہے اسے اجاگر کرنے کی منزل روایت کا اچھا خاصا سفر طے کرنے کے بعد آتی ہے اور شاید انفرادیت کا احساس ہی تخلیق کار کو تجربوں کی طرف لے جاتا ہے۔ تجربے کی کامیابی یا ناکامی پر ہی انفرادیت کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار ہوتا ہے۔

محسنؔ بھوپالی کتنے اچھے اور کتنے اہم شاعر ہیں یا نہیں ہیں اس کے بارے میں کوئی

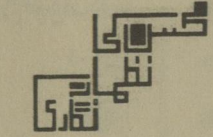

محسن کی نظم نگاری

حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔ اس لیے کہ اُنہوں نے خود شاعری میں کوئی حتمی بات یا کارنامہ ہنوز سرانجام نہیں دیا ہے لیکن اُن کی اہمیت اُن کے بعض دیگر معاصرین کی طرح اس حقیقت میں مضمر ہے کہ وہ ہماری ادبی روایت کے شاعر ہیں۔ اُن کا رِشتہ صدا کی اُن امواج تک محدُود نہیں ہے جو فضا میں بکھرتی ہیں اور سماعتوں سے ہمکنار ہو کر، نامعلوم سمتوں کی تحلیل میں چلی جاتی ہیں۔ اُن کا شعری رویّہ حرف کے اس جبر سے بھی ہمرشتہ ہے جو قرطاس و قلم سے لے کر طباعت کی مشینوں، کتاب کے نقادوں، پڑھنے والوں اور تاجروں کے چیلنج کو قبول کرنے کے عمل سے تعلق رکھتا ہے۔

مجھے اکثر یہ محسوس ہوا ہے کہ محسنؔ بھوپالی ہمارے دور کی ایک متنازعہ فیہ شخصیت ہیں۔ میں نے چونکہ اُنہیں بہت قریب سے دیکھا ہے اس لیے چند معرُوضات اس باب میں بھی پیش کرنا چاہوں گا۔ متنازعہ فیہ وہ اس اعتبار سے ہیں کہ بعض ادبی حلقوں میں اُن کی مقبولیت کے اسباب کا سُراغ لگانے کی کوشش کی جاتی ہے اِس بات پر چہ میگوئیاں ہوتی ہیں کہ اُن کے بعض اشعار اور قطعات اسمبلیوں کی نشستوں میں اراکینِ اسمبلی نے کیوں پڑھے ہیں۔ بعض کالجوں کے مباحثوں میں اُن کے مصرعے قراردادِ مباحثہ کے طور پر کیوں استعمال ہوئے۔ دُوسری طرف ادب کی دُنیا میں بھی وہ ایک معرُوف شخصیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ بات بعض افراد ہضم نہیں کر پاتے اور طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ شاید اس بات کا احساس محسنؔ کو بھی ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک قطعہ میں اس کرب کو یُوں ظاہر کر دیا ہے ؎

اوج پر ہے کمالِ بے ہُنری
باکمالوں میں گِھر گیا ہوں میں

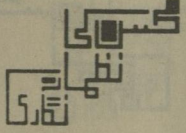

روشنی روشنی کی دشمن ہے
کن اُجالوں میں گھر گیا ہوں میں

اس سے قطع نظر کہ محسن کے بارے میں ادبی حلقے کیا رائے رکھتے ہیں، میں یہ ضرور کہوں گا کہ وہ ایک مخلص، جرأت مند، حساس اور خوددار انسان ہیں اور اپنی شاعری کی دُنیا کی تعمیر اُنہوں نے انہی حوالوں سے کی ہے۔ وہ مصنوعی واردات طاری کرنے اور کربِ ذات کا ڈھونگ رچانے والوں میں نہیں ہیں۔ اُنہوں نے زندگی کو برہنہ حقائق کی دُھوپ میں دیکھا اور برتا ہے۔ جب وہ کہتے ہیں ؎

میں نے جس طرح زیست کاٹی ہے
ایک دِن ہی سہی بسر تو کر

تو اس میں آرائشِ بیان اور تلاشِ مضمون کو دخل نہیں بلکہ اُن کی زندگی کے ایسے شب و روز کو دخل ہے جب وہ شدائدِ ماحول اور مصائبِ حیات کو بڑی حوصلہ مندی سے برت رہے تھے۔

ان دِنوں مجھے بعض اوقات بڑی ہنسی آتی ہے۔ لوگ شاعری خصوصاً سماجی شعور کی شاعری کو مادّی آسائشوں یا محرومیوں کے ذریعے ناپتے ہیں۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ طبقاتی شعور، سیاسی اور سماجی ردّ و بدل کا احساس اور ردّ عمل کے بارے میں سوچنے اور لکھنے والے کو اصولاً مفلوک الحال اور قلاش ہونا چاہیے۔ اگر وہ اچھے عہدے پر فائز ہے، کامیاب تجارت کر رہا ہے، اچھے مکان میں رہتا ہے اور کار نشیں ہے تو اُسے ان موضوعات پر سوچنے اور لکھنے کا حق نہیں۔ چلیے مان لیا۔ لیکن تھوڑی مدّت گزرنے کے بعد میں یہ دیکھ کر اور رہتا ہوں کہ ایسے سارے معترضین

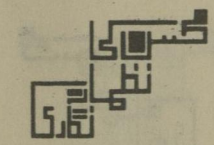

خود بھی اسی قسم کی زندگی کی یا تو آرزو کرتے ہیں یا ایسی پُر آسائش زندگی گزارنے لگتے ہیں۔ تب یہ خیال آتا ہے کہ بعض اوقات افراد اپنی محرومیوں کو معیارِ اخلاق اور فلسفۂ حیات بنا کر پیش کرتے ہیں۔ میں نے ایک موقع پر کہا تھا کہ جو شخص خود کو جس قدر ترقی پسند بنانا اور بتانا چاہتا ہے اس سے زیادہ کی فرمائش اس سے نہ کی جائے۔ یہ نتیجہ میں نے حالات اور واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد اخذ کیا ہے۔ ترقی پسند ادیب یا شاعر اس لیے گردن زدنی نہیں کہ وہ اپنی محنت اور صلاحیت سے سیفد پوش محنت کشوں کی صف میں شامل ہو گیا ہے۔ وہ گردن زدنی اُس وقت ہے جب وہ پرولتاری انقلاب کا لبادہ اوڑھ کر استحصالی طبقوں سے سودے بازی کر رہا ہو۔

محسن بھوپالی کے دو شعری مجموعے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ "شکستِ شب" (۱۹۶۱ء) اور "جستہ جستہ" (۱۹۶۹ء) اُن کی نظموں اور غزلوں کا ایک مجموعہ زیرِ ترتیب ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ "نظمانے" اُن کے ایک شعری تجربے کا بھرپور عکس ہے "نظمانے" تک پہنچنے میں محسن کی جدت طراز طبیعت نے معاونت ضرور کی ہو گی لیکن یہ محض جدت پسندی اور جدت طرازی ہی نہیں بلکہ محسن کے شاعرانہ مزاج سے بھی اس کا گہرا تعلق ہے۔ محسن کو بیانیہ انداز پسند ہے اور وہ اسے برتنے کا سلیقہ بھی جانتے ہیں۔ "شکستِ شب" میں اُن کی بعض نظمیں اُن کے اس سلیقے کی ابتدائی جھلک پیش کرتی ہیں۔ "جستہ جستہ" میں اُن کے قطعات بھی کسی نہ کسی واقعے سے اثر پذیری کا نتیجہ ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محسن ایک طرف تو ہماری قومی اور سیاسی زندگی کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف وہ ایک حساس سماجی اکائی کی حیثیت سے اپنے گرد و پیش کا بھی جزئیات کے ساتھ مشاہدہ کرتے

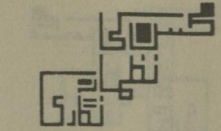

ہیں۔ محسنؔ کے ان قطعات اور اس قسم کی نظموں اور غزل کے بعض اشعار میں اسلوبِ بیان اور شعری محاسن کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ اثر کرنے والی چیز محسنؔ کا اندازِ طنز اور تنقید ہے۔ محسنؔ کا طنز بہت تیکھا، تیز اور متاثر کن ہوتا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ ان کے طنز میں تلخی یا زہرناکی نہیں ہوتی۔ اُن کا طنز احساس کو بیدار کرنے کا ایک حربہ ہے۔ وہ طنز سے کبھی کوئی جنسی یا ہلاک کرنے کا کام نہیں لیتے۔ شاید اسی لیے اُن کے بعض قطعات پسندِ خاص و عام ہیں ؎

خواب سے پیدا ہوئی تھی جو کبھی
وہ حقیقت خواب ہو کر رہ گئی
حوصلہ مندی کوئی ساحل دِکھا
زندگی گرداب ہو کر رہ گئی

تلقینِ اعتماد وہ فرما رہے ہیں آج
راہِ طلب میں خود جو کبھی معتبر نہ تھے
نیرنگیٔ سیاستِ دوراں تو دیکھیے
منزل اُنہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

جاہل کو اگر جہل کا انعام دیا جائے
اس حادثۂ وقت کو کیا نام دیا جائے
میخانے کی توہین ہے رندوں کی ہتک ہے
کم ظرف کے ہاتھوں میں اگر جام دیا جائے

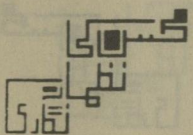

محسن کی نظمانہ نگاری

اس طرح کے قطعات اور اشعار و منظومات میں محسن طنز کے اسی حربے سے کام لیتے ہیں

محسن بھوپالی شاعری کے باب میں غور و فکر کرنے کے عادی ہیں۔ ایک زمانے میں اُنہوں نے شعری تجربے کے نقطۂ نظر سے غور کیا کہ گردوپیش کے واقعات کو مختصر منظوم افسانوں کی صورت میں پیش کیا جائے۔ منظوم افسانے اُردو میں کوئی نئی چیز نہیں ہیں۔ یہ افسانے مختصر بھی رہے ہیں اور طویل بھی۔ پھر افسانے کی قید سے قطع نظر بعض بیانیہ اور واقعاتی نظمیں بھی اپنی جگہ ایک قسم کی منظوم کہانی یا منظوم افسانے ہی ہوتی ہیں۔ لیکن جب محسن نے چند مختصر منظوم افسانے بالالتزام لکھ لیے تو مجھے اندازہ ہُوا کہ اُن کا تجربہ ایک خاص مزاج و ترکیب کی ایک نئی صنفِ سخن کو جنم دے رہا ہے خود محسن کو اس کا مکمل احساس تھا کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں اور کس طرح لکھ رہے ہیں اس لیے یہ بات طے ہوگئی کہ یہ تجربہ عام نوعیت کی منظوم کہانیوں اور افسانہ نما نظموں سے مختلف چیز ہے۔

محسن نے ۱۹۶۲ء میں نظمانہ نگاری کا آغاز کیا۔ ان کے نظمانے "دو رُوپ" (مطبوعہ ماہنامہ "افکار" ستمبر ۶۲ء) "معمول" (مطبوعہ ماہنامہ نصرت لاہور اکتوبر ۱۹۶۲ء) "دوسرا شکار" اور "مشورہ" (مطبوعہ ماہنامہ ویمن ڈائجسٹ لاہور فروری ۱۹۶۶ء) زیرِ نظر مجموعے میں شامل ہیں۔

"نظمانے" کے ضمن میں سب سے پہلے اس کے نام کا سوال پیدا ہُوا۔ شروع میں محسن نے اسے "منظوم افسانچہ" کہا لیکن افسانے کی اس تصغیر کا صوتی آہنگ بھلا معلوم نہ ہوا۔ چنانچہ جناب احمد ندیم قاسمی نے منظوم افسانچے کی ترکیب پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے یہ رائے دی کہ جب تک کوئی مناسب نام نہ مِل جائے اُس وقت تک اسے منظوم

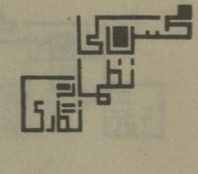

محسن کی نظمانہ نگاری

افسانچے کے بجائے منظوم افسانہ ہی کہا جائے۔ پھر ایک دن بیٹھے بیٹھے ہم نے اس اصول پر غور کیا کہ انگریزی میں بھی دو الفاظ کے بعض جزا کو مِلا کر ایک نیا لفظ بنایا جاتا ہے جیسے FICTION اور CRITICISM کو مِلا کر۔ CRICTION بنایا گیا ہے۔ اس لیے نظم اور افسانے کے امتزاج سے "نظمانہ" کا لفظ اس نئی صنفِ شعر کے لیے مناسب رہے گا اور اس میں شک نہیں کہ نظمانہ اب اس مخصوص مختصر منظوم افسانے کے لیے مختص ہو کر رہ گیا ہے جسے محسنؔ بھوپالی نے ایک نئی صنف کے طور پر متعارف کرایا ہے۔

محسنؔ کا نظمانہ اپنی ہیئت، زبان، اسلوبِ بیان، آہنگ، مزاج اور موضوعات کے اعتبار سے خصوصی مطالعے کا متقاضی ہے۔ اس ضمن میں جو پہلو میرے سامنے آئے ہیں انہیں میں مختصر طور پر پیش کرنا چاہوں گا۔ اُردو میں جو منظوم کہانیاں، یا افسانہ نما نظمیں لکھی گئی ہیں ان میں یہ التزام نظر نہیں آتا جو محسنؔ نے اپنے نظمانوں میں برقرار رکھا ہے۔ ان کا ہر نظمانہ دو حِصّوں میں منقسم ہوتا ہے۔ پہلے حِصّے میں افسانے کا موضوع، فضا اور کردار متعارف ہوتے ہیں۔ اس کے بعد دُوسرے حصّے میں، واقعہ، احساس یا جذبہ اپنے پورے کلائمکس پر پہنچتا ہے اور ایک متاثر کن سطر پر ختم ہو کر اپنا بھرپُور تاثر چھوڑ جاتا ہے۔ یہ التزام محسنؔ نے اپنے ہر نظمانے میں برقرار رکھا ہے۔ اسی طرح بحر، اوزان، یا قوافی سے قطع نظر انہوں نے ہر نظمانے میں صنفی ترکیب کے طور پر ایک ہیئت تراشی ہے اور اسے اپنے نظمانے کا جزوِ لازم بنا دیا ہے

محسنؔ بھوپالی کی شاعری کی عمومی زبان ہمارے شعری سرمائے کی مروّجہ زبان سے مختلف نہیں ہے۔ اُن کے یہاں فارسی تراکیب، فارسی آمیز لغات شاعری

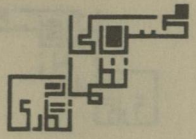

تشبیہات و استعارات کی نوعیت وُہی ہے جسے ہمارے یہاں اب کلاسیکی رنگ کا نام دیا جاتا ہے۔ محسنؔ کے اشعار کی زبان عموماً اس قسم کی ہوتی ہے :-

کیا غضب ہے شہرِ آذر ابنِ آذر سے تہی
جوہرِ عرضِ ہُنر اب تجھ سے شرماتا ہوں

—

صحرا کی امانت ہوں سرِ کنجِ بہاراں
بیٹھا ہوں بُلاوا مرا جب تک نہیں آتا

—

بے اعتنائی سے مجھے صرفِ نظر نہ کر
منزل نُما ہوں گردِ رہِ کارواں نہیں

—

نشاطِ خندۂ گُل کا سُرور سب کو ہے
علاجِ گریۂ شبنم کسی کے پاس نہیں

—

دیکھا نگاہ بھر کے تو بینائی چھن گئی
سورج تھا آئینے میں کہ چہرہ انا کا تھا

محسنؔ بھوپالی کی نظموں، غزلوں اور قطعوں کی مانوس زبان یہی ہے لیکن نظمانے کے لیے اُنہوں نے خالص بول چال کی ایسی زبان اختیار کی ہے جو اضافتوں اور شعری تراکیب کی مروّجہ نہج سے پاک ہے۔ اس مجموعے کے

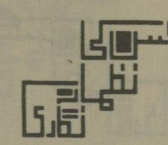

نظمانوں میں شاذ و نادر ہی کوئی اضافت یا دُور از کار ترکیب نظر آتی ہے۔ اس طرح افسانہ نگار اور شاعر کی زبان اور لسانی رویّے کو محسن نے ایک نئے امتزاج کے ساتھ اپنے نظمانوں میں پیش کیا ہے۔

شاعری کی زبان کے بارے میں ہر عہد اور ہر نسل کا جُداگانہ رویّہ ہوتا ہے۔ شاعری کی ایک مخصوص زبان کسی جدّت طراز یا صاحبِ طرز شاعر کی تحریک اور اسلوب سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر اس شاعر نے اپنے اسلوب اور شاعرانہ رویّوں سے متاثر کیا ہے تو خاصی مدّت تک اسی کے اسلوب اور معیارِ زبان کو اپنانے کی کوشش کی جاتی رہے گی۔ اس ضمن میں ولی، میر، سودا، ناسخ، حالی، غالب، اقبال اور یگانہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے جب شاعری کی زبان کے بارے میں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ اس میں تازگی کم ہوتی جا رہی ہے، تصنّع اور میکانکی عنصر بڑھتا جا رہا ہے اس کے نتیجے میں شاعری کی مروّجہ زبان کو ترک کرنے کے مختلف جواز تلاش کیے جاتے ہیں اور الفاظ و تراکیب کی ایک نئی فضا سے شاعری کو متعارف کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کلاسیکیت، نوکلاسیکیت، رُومانیت اور اس کے بعد کے تمام میلانات اسی قسم کے ردِّعمل کا نتیجہ تھے۔ اسی لیے بعض اوقات ادب میں گھوم پھر کے ایسے میلانات دوبارہ آ جاتے ہیں۔ جنہیں ایک خاص رجحان یا منصوبے کے تحت مسترد یا نظرانداز کر دیا گیا ہو۔ زبان پُرتکلّف اور پُرآرائش ہو یا سادہ و بے ساختہ۔ اس پر ہمیشہ سے شاعروں نے بحث کی ہے اور شعراء میں اس قضیے پر اختلاف رائے رہا ہے۔ ورڈسورتھ نے بھی اٹھارہویں صدی

کی مروّجہ شعری زبان کو مصنوعی اور محدُود قرار دیا تھا اور اپنے عہد کے بعض شعرا سے وہ اسی لیے نا مطمئن تھا کہ اُن کی شاعری بھی مصنوعی اور محدُود ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح شاعر اپنے عہد کے انسانوں کی ہمدردیوں سے محرُوم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اُس نے جذبے کی بے ساختگی، احساس کے والہانہ پن اور عام بول چال کی زبان پر توجّہ دی لیکن اس سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ وہ عامیانہ زبان کے حق میں تھا۔ ورڈسورتھ زبان کو معیاری اور سنجیدہ ہی چاہتا تھا لیکن وہ ضائع اور بدائع کے غیر ضروری استعمال سے زبان کو بوجھل اور مصنوعی بنا دینے کے حق میں نہیں تھا۔ وہ پڑھنے والے کو اپنے الفاظ کے ذریعے جسم و جاں کی حرارت سے آشنا کر دینے کا خواہاں تھا۔

زبان کی جدّت اور نیا پن ذہنی و جذباتی مسائل اور موضوعات میں بھی تبدیلی لاتے ہیں اور بحور و اوزان میں بھی ندرت کے متقاضی ہوتے ہیں۔ کسی خاص عہد کی شاعری کا مطالعہ کبھی اس کے متعدد اجزا کے مجموعی جائزے پر مشتمل ہوتا ہے اور کبھی محض کسی ایک عنصر کو مرکز و محور بنا دیا جاتا ہے۔ رُومانی عہد کے شعرا کو بعض نقادوں نے محض زبان کی جدّت تک محدود رکھا ہے اور بعض نے کسی دُوسرے جزو کو تمام تر اہمیت دی۔ جیسے پروفیسر سینٹس بری نے ساری رُومانی تحریک کو بحروں کے نئے استعمال کا مسئلہ بنا کر پیش کیا ہے۔

شاعری کی زبان کے بارے میں یہ رویّہ کم و بیش ہر دور میں موجود رہا ہے۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر ایسی زبان پر توجہ دی گئی جو حقیقت پسندانہ ہو اور مختلف طبقات کے سماجی مزاج کی عکّاسی کر سکتی ہو۔ پھر آہستہ آہستہ

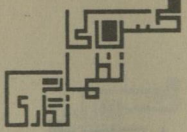

عصری نظم نگاری

جب ہماری مجموعی زندگی میں صنعتی عہد اور تجارتی دور کے عناصر شامل ہونے لگے تو زبان بھی اس سے فطری طور پر متاثر ہوئی۔ افسانے اور ناول میں زبان کی اس تبدیلی کو فوراً ہی شامل کر لیا گیا لیکن شاعری میں اس عمل کی رفتار بہت سُست رہی۔ شاعری کی زبان میں عہدِ جدید کے مطابق جو تبدیلیاں کی گئیں انہیں اِجتہاد سے کم درجہ نہیں دیا گیا اور اس میں شک نہیں کہ صنعتی و تجارتی عہد کی شعری لغت کو شاعری کی زبان کا حِصّہ بنانے والے شعرأ نے بڑے حوصلے سے کام لیا۔ اس ضمن میں سب سے اہم نام عزیز حامد مدنی کا ہے۔ جنہوں نے سائنس صنعت تجارت اور سیاست کے حوالوں سے اپنی نظموں میں ٹرام، آپریشن تھیٹر، ٹارمیک، گراف، کاؤنٹر، زرد کے اعشاریے جیسے متعدد الفاظ بڑی خوبی سے شامل کیے اُن کے بعد مصطفےٰ زیدی، انجم اعظمی، الیاس عشقی وغیرہ کے یہاں بھی حقیقی زندگی سے الفاظ اخذ کرنے کا شعوری عمل نظر آتا ہے۔ کچھ تو ان شعرأ کے زیر اثر اور کچھ تجارتی اور صنعتی زندگی کی فطری منطق کے نتیجے میں اب ڈِنر، ٹیلی فون، کار اور سُوٹ جیسے الفاظ غزل جیسی غیر صنعتی و غیر تجارتی صنف میں بھی شامل ہونے لگے۔ چنانچہ بعد کے شعرأ میں محمودؔ شام کے یہاں یہ اجتہاد نمایاں نظر آتا ہے۔

اِن دِنوں ہمارے یہاں شاعری کے کلاسیکی، نیم کلاسیکی اور رُومانی رویّوں کے خلاف محدود پیمانے پر ہی سہی ایک ردِّعمل کا اظہار کیا جا رہا ہے یہاں تک کہ نثری نظم (PROSEPOEM) کو ایک بہتر ذریعۂ اظہار کے دعوے کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اسی طرح شاعری کے پابند اور آزاد اسالیب میں بھی زبان کے رویّوں پر نظر ثانی کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے

محسن کی نظمانہ نگاری

محسن بھوپالی اپنے عہد کے ان تقاضوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ وہ شاعری کی زبان کے امکانات کو انفرادی طور پر ایک تجربے میں برت کر دیکھنا چاہتے ہیں۔ نظمانوں کی زبان اُن کے پسندیدہ ڈکشن سے مختلف ہے جس میں بات چیت کے لہجے سے ایک شعری آہنگ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے — یہی SPEECH-RHYTHM ان کے نظمانوں کا سب سے نمایاں وصف ہے۔ محسن بھوپالی نے گردوپیش کی زندگی سے جو زبان اخذ کی ہے اس میں ایکسیڈنٹ، ٹیلی فون، ایف آئی آر، ٹی وی، انٹلکچول، ، ریڈیو، پیگ، فرام باس جیسے الفاظ کی شمولیت کے ساتھ ساتھ اس فطری انداز گفتگو کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے جو ہمارے معاشرے میں بہت عام ہے۔ ایک نظمانے میں بچّے کی یہ گفتگو اس کے طبقاتی مزاج کو صرف اسی لیے واضح کر دیتی ہے کہ اس میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو اعلیٰ طبقے کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئے ہیں

"بلیک اینڈ وہائٹ" کتنا بور ہے ممی
اناؤنسر نہ جانے کب
کلرڈ ٹی وی کی خوشخبری سُنائے گی
ہمارے "پرسنل بیگیج" میں آیا ہوا ٹی وی
گزشتہ سال سے بیکار رکھا ہے!

محسن نے بالالتزام نظمانے لکھ کر اُن کا یہ ایک الگ مجموعہ مرتّب کیا ہے اس مجموعے سے زبان کے امکانات پر بھی روشنی پڑے گی۔ اس قسم کے تجربات ادب کی دُنیا میں ہمیشہ مستحسن ہوتے ہیں کیونکہ ان سے اگر ابتدا کرنے والوں کو

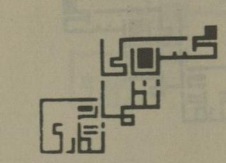

نہیں تو دوسرے غور و خوض کرنے والوں کو ضرور فائدہ پہنچتا ہے اور یہ افادیت پورے ادب کے لیے نیک فال ہوتی ہے۔

محسن بھوپالی کے نظمانوں کے ان پہلوؤں پر توجہ دینے کے باوصف یہ حقیقت اپنی جگہ باقی ہے کہ اُن کے یہ نظمانے کسی جدت طرازی کی رعایت کے طالب نہیں ہیں۔ نظمانوں کے مجموعی TREATMENT کو نگاہ میں رکھنے ہی سے ان کا حسن نمایاں ہو سکتا ہے۔ یہ نظمانے ایک تجربے کے ساتھ ساتھ شاعری کے اس معیار پر بھی پورے اُترتے ہیں کہ ان میں فوری طور پر متاثر کرنے کا جوہر مضمر ہے۔ اُن کے نظمانوں تک منطق یا واقعاتی تانے بانے سے رسائی حاصل کرنے کے بجائے احساس کو بروئے کار لانا پڑتا ہے۔ وہ اپنے نظمانوں میں نہ کوئی دلیل دینا چاہتے ہیں اور نہ کوئی ترغیب۔ وہ نہ کسی چیز کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اور نہ مسترد۔ محسن نے تو گردوپیش کی بکھری ہوئی دُنیا سے چند ایسے واقعات بڑی چابکدستی سے چُن لیے ہیں جنہیں دکھانے کے لیے محسن نے اپنے نظمانوں کا تناظر (PERSPECTIVE) مہیا کیا ہے۔

محسن کے نظمانوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے موضوعات کو آسمان سے لانے کے بجائے اسی زمین کی گردش میں تلاش کرتے ہیں۔ محسن نے کہا تھا ؎

اے مرے ہم نفسو، ہم قلمو، نغمہ گرو!
کتنے موضوع سرِ راہ صدا دیتے ہیں
پیکرِ ذات سے باہر تو نکل کر دیکھو
کتنے ذرّے ہیں کہ سورج کا پتا دیتے ہیں

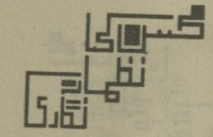

محسن کی نظمانہ نگاری

وہ اس تلقین کو اپنا ادبی مسلک بنا چکے ہیں۔ اسی لیے زندگی کے تنوع کی ایک جھلک محسنؔ کے زیرِ نظر مجموعے میں بڑی خوبی سے سمٹ آئی ہے۔ محسنؔ کے بعض نظمانے ایسے مسائل سے تعلق رکھتے ہیں جو ہماری سماجی زندگی اور طبقاتی کشمکش کا حصہ ہیں اور جنہیں ہم بہتر فردا کی تمنا اور امید میں برداشت کر رہے ہیں۔ بعض نظمانے ہمارے عہد کے اہم واقعاتی تاثرات پر مبنی ہیں۔ جنگی قیدیوں کی واپسی، طلبہ کی ہڑتال، بڑی طاقتوں کا فوجی انخلاء، بھوک کا مسئلہ اور اس طرح کے دیگر موضوعات کو تیز متحرک تصویروں کی صورت میں پیش کیا ہے اور پھر ذہن کو بیدار کرکے یہ تصویریں جیسے آنکھوں کے سامنے سے ہٹا لی گئی ہیں۔ ذہن ہر نظمانے کے آغاز سے قبل کی فضا کو تازہ کرتا ہے اور پھر جب کسی تیز کاٹ والے مصرعے پر نظمانہ ختم ہوتا ہے تو ذہن اس کے بعد کی کیفیات میں گم ہو جاتا ہے۔ محسنؔ کی اس تکنیک کو میں نے سات رنگوں کی طیف (SPECTRUM) کے ذریعے سمجھا ہے۔

سورج کی ایک شعاع جب شیشے کے منشور (PRISM) سے گزرتی ہے تو ست رنگی طیف کا جمال ظاہر ہوتا ہے لیکن سائنس کی رو سے طیف کے پہلے رنگ سے پہلے اور آخری رنگ کے بعد بھی رنگ ہوتے ہیں جو ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتے۔ ظاہری رنگوں سے ماورا یہ رنگ بالائے بنفشی (ULTRAVIOLET) اور زیرِ سرخ (INFRARED) کے نام سے موسوم ہیں۔ محسنؔ کے ہر نظمانے میں مجھے ایک ایسا ہی SPECTRUM ملا ہے جس کے آغاز سے قبل بھی سوچنے کا ایک

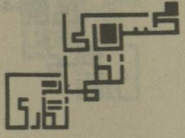

عمل ہے اور اختتام کے بعد بھی سوچنے اور محسوس کرنے کا ایک عمل جاری رہتا ہے۔ اُن کا ایک نظمانہ ہے "بھائی چارا"۔ اس کے ابتدائی مصرعے ذہن کو ایک ایسے ڈرائنگ رُوم میں لے جاتے ہیں جہاں کوئی "انسان دوست" بزرگ بھائی چارے اور اخوتِ انسانی کا فلسفہ بیان کر رہے ہیں۔ جب نظمانہ ختم ہوتا ہے تو ذہن اس قسم کے ریاکارانہ اور منافقانہ رویّے پر سوچنے لگتا ہے اور قول و فعل کے اس تضاد پر غور کرنے لگتا ہے جسے ہمارے اطراف کی زندگی میں بڑے سلیقے سے برتنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

تمام انساں ہیں ـــــ ٹھہریے گا!
یہ کیسی دستک ہے ـــــ دیکھ آؤں
میں کل سے بھوکا ہوں ـــــ "راہِ للّٰلہ" ایک روٹی
عجیب ہو تم ـــــ یہ کیا طریقہ ہے؟
کچھ نہیں ہے ـــــ چلو یہاں سے

----- بھلا سا موضوعِ گفتگو تھا
ـــــ لو یاد آیا ـــــ میں کہہ رہا تھا
تمام انساں ہیں ـــــ اِک اکائی
تمام انساں ہیں ـــــ بھائی بھائی

احساس کی یہ کیفیت محسن کے تقریباً ہر نظمانے میں ہے۔ ان کے نظمانوں کی زبان کرداروں کے مطابق ہوتی ہے۔ اس میں روانی، بے ساختگی

اور تاثیر نظر آتی ہے۔ کہیں کہیں IRONY کو بڑی خوبی سے اختیار کیا ہے اور کہیں دو واقعات کی JUXTAPOSITION سے شدید تاثر پیدا کرنے کا ہنر دکھایا ہے۔ اس تکنیک نے کسی نظمانے میں خندۂ زیرِ لبی کی کیفیت کو ابھارا ہے تو کہیں رنگِ یاس کو اور گہرا کر دیا ہے۔ اس ضمن میں "رزق"، "فرض شناس"، "انٹلکچول"، "پچھتاوا"، "ممتا"، "پہلا انٹرویو"، "دوسرا انٹرویو"، "المیہ"، "دست شناسی"، "زندہ رہنے کا فن" اور "آخری خواہش" بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

محسن کے اکثر نظمانوں میں کہانی کہنے کا انداز موجود ہے۔ کہانی کہنے کے بیشتر اسالیب اُن کے یہاں نظر آتے ہیں۔ ہر نظمانہ اپنی جگہ ایک ایسا مکمل اور دلچسپ پلاٹ ہے جسے پھیلا کر طویل افسانہ بنایا جا سکتا ہے اور چونکہ سارے موضوعات ہماری مانوس زندگی کی تصویریں پیش کرتے ہیں اس لیے ہمیں ان میں اپنے عہد کے خد و خال اور اپنے احساس کی پرچھائیاں نظر آجاتی ہیں۔ بعض نظمانے اپنے مزاج کے اعتبار سے PROSAIC ہو گئے ہیں لیکن بعض میں شعریت بھی نمایاں ہے۔

نظمانوں کے مطالعے سے ایک تاثر یہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ گرد و پیش کی زندگی میں محسن کو زیادہ تر ایسے ہی چہرے نظر آئے ہیں جن کا سماجی کردار منفی ہے۔ یہ تاثر کسی حد تک درست ہے۔ لیکن محسن نے کسی تجریدی انسان کی رجائیت کو پیش کرنے کے مقابلے میں اس عمل کو زیادہ صحت مند سمجھا کہ ہمارے معاشرے کے ناسوروں کی نشاندہی کی جائے اور ان پر نشتر کاری کی جائے۔ اس امر کی ضرورت شاید انہیں اس لیے اور بھی پیش آئی کہ ہم زندگی

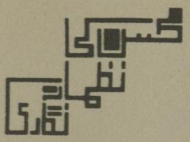

کی بعض انتہائی سفاک حقیقتوں کو بدیہی حقائق کہہ کر اپنی بے توجہی کا شکار بنا لینے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں ۔

بعض شاعر نظریہ ساز بھی ہوتے ہیں اور اپنے فن میں ان نظریوں کو برت بھی سکتے ہیں جیسے ٹی ۔ ایس ۔ ایلیٹ ۔ اور بعض شاعر اپنے نظریے میں جتنے قابلِ قبول لگتے ہیں اپنی شاعری میں نہیں معلوم ہوتے جیسے ولیم بلیک ۔ محسنؔ کا شمار ان دونوں قسم کے شعرا میں نہیں ہوتا ۔ کیونکہ وہ شاعری میں اصولوں یا نظریوں کی بنا رکھنے والوں میں نہیں ہیں ۔ وہ ادب کے کسی اصول یا نظریے سے زیادہ زندگی کے اصول اور نظریے پر غور کرتے اور اسی کو اپنی شاعری میں برتنا جانتے اور چاہتے ہیں ۔ زندگی کے تضادات آج کے انسان کو کس طرح تماشا بناتے ہوتے ہیں ۔ اس کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو محسنؔ کے نظمانوں میں جھانکیے ۔ آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ کی آنکھوں اور آپ کے ذہن کی جانب سے محسنؔ نے گرد و پیش کی زندگی کو کس طرح دیکھا اور پیش کیا ہے ۔

سحر انصاری

۲۷ ، جولائی ۱۹۷۵ء

شعبۂ اردو ۔ جامعہ کراچی

ابتدائیہ

کرچیوں کو جو طاقِ نظر میں سجا کر،
یہ سمجھیں — اُنہیں آئینہ مل گیا ہے
ہمیں ایسی آنکھوں سے — محروم رکھ!

نطق کے مصلحت کوش آہنگ سے،
لفظ کی مقدرت کو جو مجروح کر دیں
ہمیں ایسے ہونٹوں سے — محروم رکھ!

پرچمِ شب کو لہرا کے سمجھیں،
کہ فردا کو زرّیں علم ہم نے بخشا

ہمیں ایسے ہاتھوں سے —— محروم رکھ!

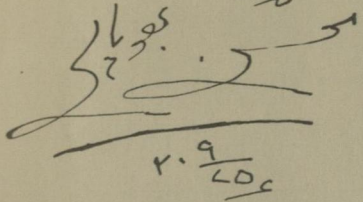

۲۰/۹/۷۵ء

زندہ رہنے کا فن

مونیکا،
ڈانسنگ ہال کے شوخ اسٹیج پر
ہے تماشائیوں کے گھروں کے لیے
شعلۂ بے اماں!

——— اور اپنے محلّے میں بحرین کے
ایک تاجر کی بیوی ہے
یہ چار بچّوں کی ماں!

نصیحت

پرس میں فوٹو اور پتے کا رکھنا
اچھّی عادت ہے بیٹا!

ایک بار جب — میرا ایکسیڈنٹ ہُوا،
تو لوگ مجھے گھر لے آئے تھے

پہلے ایسا ہوتا ہوگا،
اب تو ڈیڈی سب سے پہلے،
لاش کا بٹوہ پار کیا کرتے ہیں لوگ!

المیہ

اُس کا معمول تھا

پھول والے سے جب بھی،

وہ ہار اور گجرے بنانے کو کہتا

تو پھولوں کے رنگ اور تناسب

کے بارے میں تکرار کرتا

ایک دِن پھول والے نے پوچھا :

بھلا کون سے پھول کا ہار بنوائیں گے

اُس نے بھرّائی آواز میں صِرف اِتنا کہا

بس مجھے — آج کچھ — پھول دے دیجیے !

پچھتاوا

دوپٹّہ رنگنے کی اُجرت اُس نے واپس کر دی
بولا —— بیٹی آنند بھی
تم سے پیسے نہیں لوں گا
—— اور ایک دن یہی مقدّس رشتہ اُس نے توڑ دیا

روشن راتوں، جگمگ کرتی گلیوں میں اب،
رنگ برنگے، جھلمل کرتے دوپٹّے کے بوجھ تلے،
میں سوچ رہی ہوں
کوئی مرا بے رنگ دوپٹّہ،
پھر سے واپس لا دے !

بھائی چارا

تمام انساں ہیں ـــــ ٹھہریے گا
یہ کیسی دستک ہے! ـــ دیکھ آؤں
میں کل سے بھوکا ہوں،

"راہِ للّٰہ" ـــــ ایک روٹی
عجیب ہو تم ـــــ یہ کیا طریقہ ہے
کچھ نہیں ہے ـــــ چلو یہاں سے

بھلا سا موضوعِ گفتگو تھا،

ـــــ لو یاد آیا ـــــ میں کہہ رہا تھا
تمام انساں ہیں ایک اکائی
تمام انساں ہیں بھائی بھائی

ایف۔ آئی۔ آر

آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں' ——

یہ تو سچ ہے —— چلی گئی

پر گھر کی عزّت کیوں جائے؟

"چلی گئی" سے "اغوا کرلی گئی" '

مناسب فقرہ ہے

بات ہوئی نا!

اچّھا تو پھر لکھ دیتا ہوں

نوٹ بڑھائیں!

انٹرویو

آپ پیتے ہیں ؟

جی ہاں !

بہت خوب ،

رقص و غنا سے بھی کوئی شغف ؟

ایک حد تک !

کہیں لینے دینے میں کوئی جھجک ؟

جی نہیں !

کل سے اِس "مِل" کے پی۔ آر۔ او آپ ہیں

دفتروں میں ہمارے کئی کام اٹکے ہوئے ہیں

شہرت

ہیروئن بننے کی خاطر
شہرت کے زینے پر چڑھنے
تہمینہ گھر سے نکلی تھی

اِک دِن ـــــ بیوہ ماں نے دیکھا
اخباروں میں خبر چھپی ہے
پولیس کے اِک چھاپے کی
اور فوٹو کے اِک کونے میں
تہمینہ بھی بیٹھی تھی

بال ہٹ

مُنّی! تم سے کہہ جو دیا
سیلاب زدوں کی خِدمت میں
مصرُوف ہیں ابّو روز و شب
ضِد کرنا اچھّی بات نہیں

امّی! میں نہیں مانوں گی
کل گھی کے ڈبّے لائے تھے
اور آج وہ کمبل لائے ہیں،
لیکن میری گڑیا لانا بھُول گئے!

ممتا

دریا کا جب کس بل ٹوٹا
ساحل کی آنکھوں نے دیکھا
ہار گیا تھا
ممتا سے سیلاب
مُردہ ہاتھ میں بچّہ یُوں تھا
جیسے کھِلا گلاب !

دست شناسی

دندناتی بس ،

لہُو میں تر بتر ـــــ ایک جواں لاشہ ،

سڑک پر چھوڑ کر

تیزی سے آگے بڑھ گئی

محوِ حیرت رہ گیا میں دیکھ کر

لاش کی ٹھنڈی کلائی کے قریب ،

ہنس رہی تھی عُمر کی لمبی لکیر !

عُرس

اِنسانوں کے بے پایاں سیلاب سے بچ کر
اِک گوشے میں کوئی بُزرگ
اِس اطمینان سے بیٹھے تھے
جیسے اُن کی سبھی مُرادیں بر آئی ہوں!

میں نے پوچھا — آپ زیارت کر آئے؟
تو ہنس کر بولے،
جب سے میری قبر پہ
سجدہ کرنے کی رسم آغاز ہوئی
میں اِس پیڑ کے نیچے بیٹھا رہتا ہوں!

اہم نکتہ

شکل و صورت ـــــ عادت و اطوار
نسل و خوں ـــــ سماجی مرتبہ
ـــــ ہر طرح سے ہم تسلّی کر چکے تھے ـــــ کیا کہیں
اِک اہم نکتہ ہمارے دھیان سے اوجھل رہا

چھ برس ہونے کو آئے ہیں
غزالہ ـــــ لذّتِ تخلیق سے،
ناآشنا ہے آج تک!

تن آسانی

سائنٹیفک زندگی نے ،
نسلِ انسانی کے سارے مسئلے ——
حل کر دیے !

جامعہ کے "طالبانِ علم" میں
اب ذِکر ہے
"چشمِ بینا" کے لیے —— بہتر رہے گا "آئی بینک"
"ذہن کی آسودگی" —— کیمسٹ سے لے آئیں گے
اور —— "جنسِ آگہی"
"یونیورسٹی اسٹور" سے مِل جائے گی

بَردہ فرَوش

چھ تو کم ہیں ـــــ آٹھ میں سودا ہو سکتا ہے

لڑکے کو تم غور سے دیکھو،

ہاتھ کٹا ہے،

بازُو پر نا سُور کی پٹّی بندھی ہُوئی ہے

اِک آنکھ اندر دھنسی ہوتی ہے

مال کھرا ہے!

لوگ اس کو بِن مانگے دیں گے

اِک رمضان اور دو عیدوں میں

پُوری قیمت مِل جائے گی!

ٹھیک ہے سودا پکّا ہے!!

دعوتِ ولیمہ

جگمگ کرتے سائبان کے نیچے

لمبی میزوں پر

کئی قسم کی میٹھی اور نمکین ڈشوں کو،

اپنے گھیرے میں لے کر

پیٹ بھروں نے تھوڑا تھوڑا کھانا کھایا

اِک اِک کر کے میزبان سے رُخصت چاہی

سائبان کی پچھلی جانب،

دیر سے بیٹھے بھک منگوں نے

دامن میں بریانی لی ـــــ جی بھر کے کھایا

اور دُعائیں دیتے اپنی جھونپڑیوں کو لوٹ گئے!

گروپ فوٹو

سینہ تانے چند سپاہی،
ایک افسر
اور کچھ اسمگلر

پھینک دیا اخبار کو اس نے یہ کہہ کر
شکر کہ میری "گینگ" کا اس میں
کوئی اصلی فرد نہیں!

مشورہ

رشیدہ کو بی ۔ اے ہوئے

دُوسرا سال بھی ہو چلا

آج تک ــــ اُس کے لائق

کوئی بَر مِلا ہی نہیں

سخت اُلجھن میں ہوں

کیا کرُوں ؟

ــــ بہن میری مانو،

اب ایم ۔ اے کراؤ!

سات آسمان

تحیّر،

توہّم،

تجسّس،

تخیّل،

تصوّر،

تیقّن،

خدا!

مجرم کون

پہلے صفحے پر یہ خبر تھی
—— شہروں میں ایسے بھی کلب ہیں
جن کے ممبر اپنے گھر کی چابی بدلا کرتے ہیں

اور اندر کے صفحے پر یہ خبر چھپی تھی
گوٹھ جھرک میں،
ایک شخص نے اپنی بیوی،
اور عاشق کو —— شک کی بنا پر
ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا!

ہانڈی وال

مجھ سے پہلے دو افراد
سودا لے کر قیمت لکھتے جاتے تھے
چلے گئے تو میں نے پنساری سے کہا
"ہانڈی وال" طریقہ کتنا اچھا ہے!
وہ بولا:
بابو! آپ غلط سمجھے ہیں ان کو
پہلے صرف اک باورچی ہی کھاتا تھا
اب باورچی اور آفیسر آتے ہیں
دونوں مل کر "میس" کا پیسہ کھاتے ہیں

ایک طریقہ جس میں دو یا زائد افراد مل کر کھاتے ہیں اور مہینے پر کھانے کے اخراجات مساوی تقسیم کر لیتے ہیں

آخری خواہش

تُم اپنا مہرِ بخشتی ہو عابدہ !
میں سُن چکا ہُوں ،
ڈاکٹر نے تم سے جو بھی زیرِ لب کہا :
یہ رات آج آخری ہے دِق زدہ مریض کی

سُنو ! اِک اور التجا بھی ہے
تُم اپنا دُودھ بخش دو ،
کہ یہ خلش بھی ختم ہو
سکُوں سے موت آسکے !

دو گھر

مِری اچھّی سی باجی —— جلد کھانا دو
بہت کم وقت باقی ہے
مجھے تو ریڈیو سُننے —— ابھی ہوٹل بھی جانا ہے
سُنا ہے آج کی خبریں اہم ہوں گی

"بلیک اینڈ وہائٹ" کِتنا بور رہے ممّی
اناؤنسر نہ جانے کب
"کلر ڈ ٹی۔ وی" کی خُوش خبری سُنائے گی
ہمارے "پرسنل بیگیج" میں آیا ہُوا ٹی۔ وی
گزشتہ سال سے بے کار رکھا ہے!

سرِ راہے

تھوڑی دیر کو دوست کی خاطر
ایک طرف جب میں نے گاڑی روکی
اِس عرصے میں آتی جاتی آوازیں،
یُوں کان میں آئیں :
—— ابّو نے اولاد کی خاطر
—— دُوسری شادی کرنے سے اِنکار کیا
—— یہ تو بڑا اِیثار کیا
—— وہ شخص بہت ہی گھپلا ہے ۔ میری مانو
تم تو اُس سے میٹھی باتیں کرتے رہنا،
لیکن رقم نہ دے دینا
—— اُس نے مجھ کو --- چُپ رہ سلمیٰ !
—— گاڑی والا سُن لے گا !

حرفِ وداع

ابّا جی! خط آیا ہے،
شہر میں مجھ کو اچھی "سروس" کا "آفر" ہے
مِل کا مالک گاڑی اور بنگلہ بھی دے گا

پیارے اشرف!
میرا مالک دِن دُونی اور رات چوگنی
تمہیں ترقّی دے

لیکن بیٹا — شہر میں جا کر
اپنے گھر کے دروازے پر تم،
ایسا چوکیدار نہ رکھنا
جِس سے ڈر کر — رِشتے دار بھی تُم سے
بِنا مِلے ہی لوٹ آئیں!

رِزق

وہ گھونسلے سے پیتل اور تانبے کے
پرانے تار اُتارنے
درخت کی پُھننگ پر پہنچ گیا
مگر وہ شاخ جس پہ اُس کا ہاتھ تھا
چٹخ گئی — زمین پر گرا
اور اپنی جان، جان آفریں کو سونپ دی

اگر زمیں کی "مہربان پستیاں"
اُسے نوازتیں
تو کیوں بلندیوں پر اپنا رِزق ڈھونڈتا!

فرض شناس

آمجد! —— یہ کیا؟
آج کی شب پھر باہر جانے کی تیّاری ہے

تم تو گھر میں رہتی ہو
تم کو کیا معلوم شکیلہ!
آج رات ہی ایکسائز کے دوست سے مجھ کو
چرس کا پیکٹ لانا ہے
اور رُلزم کے گھر سے برآمد کروانا ہے!

غمِ مُشترک

آتے جاتے لوگ تو گونگے بہرے نکلے
گرم اُبلتی آنکھوں سے
کب تک ایک سا منظر دیکھوں
—— اِس بُوڑھے سے کہہ کر دیکھوں
آؤ بیٹا —— آخر اِتنی مایُوسی کیوں
دو روٹی ، کچھ چاول
اور اِک رُوپیہ ہے میرے پاس
دونوں مِل کر کھالیں گے
ہنستے گاتے کٹ جائے گی رات
کل کا غم ہے کل کے ساتھ !

آخری مکالمہ

میں نے کہہ جو دیا :

—— فرم کے کام میں سخت مصروف ہوں

—— آج بھی تم نے ملنے کی خواہش کو ٹھکرا دیا'

نازیہ —— تم ریسیور کو رکھنے سے پہلے'

مری آخری بات سُن لو :

اگر زندگی کے کسی موڑ پر

"باس" مصروف ہو جائے تو'

تم مجھے فون کرنا

میں مُلاقات کے پہلے دِن کی طرح

تم سے پھر آ ملوں گا !

معیار

انجم آپا!
ٹھیک تھا آپ کا اندازہ،
"وولی کریپ" اور اِتنا سستا
— کل ہی واپس کر آؤں گی

تم کہتے تھے "فارن" کا ہے
دیکھو! اس پر کیا لِکّھا ہے
"میڈ اِن پاکستان"

دِل آنے کے ڈھنگ......

نُوراں ـــــ آخِر مجھ سے تم کیُوں
اِتنی نفرت کرتی ہو؟
اُس بُوڑھے میں کیا دیکھا ہے
جو یُوں اُس پر لٹّو ہو

جانو ـــــ تجھ سے کیسے کہُوں
وہ کش لے کر ـــ جب چٹکی مارکے،
سگریٹ کا گل جھاڑتا ہے اور گردن کی اِک جنبش سے
اُس کی ٹوپی کا پھندنا جب لہرا کر رُک جاتا ہے
میرا دِل بھی ـــ اُس کی جانب جُھک جاتا ہے

شیر شاہ بازار

——— آپ کا مطلب سمجھ گیا میں'

اصلی "گیئر" ساٹھ رُوپے میں مِل جائے گا

پانچ بجے شام آجائیں !

پانچ بجے اِک گاڑی آئی

اور کباڑی قصابوں کی صُورت لپکے

اپنے اپنے مطلب کی سب چیزیں لیں

شام سے پہلے'

زمیں پہ "چیسیز" پیر پسارے پڑا ہُوا تھا !

٭ کراچی کا ایک بازار جہاں ہر قِسم کی نئی پُرانی گاڑیوں کے پُرزے مِلتے ہیں۔ ———

چالان

تُو نے "سگنل" توڑا ہے
— ہنستا ہے — لائسنس نکال
— یہ لیں — لیکن غور سے دیکھیں
اس میں ... شاہ کا کارڈ رکھا ہے

اچھّا تو پھر جا سکتے ہو،
لیکن دیکھو،
آئندہ تم ایسی "حرکت" مت کرنا!

رسم

—— اور جُدا ہوتے ہوتے جب اُس نے کہا
کل —— اسی وقت —— ریگل کے اسٹاپ پر
میں نے ہنس کر کہا ٹھیک ہے

دونوں اپنی جگہ مطمئن تھے
کہ دونوں ہی جھوٹے ہیں لیکن،
بچھڑتے ہُوئے —— پھر سے مِلنے کے،
پیمان کرنا بھی،
دُنیا کی اِک رسم سی ہوگئی ہے!

تبصرہ

ذو معنی گیتوں کے بول

تڑپا دینے والے سین

ـــــ ہوش اُڑانے والے رقص

لیکن گھر والوں کے لیے،

کچھ ٹھیک نہیں،

ویسے پکچر اچھّی ہے!

حفظِ ماتقدّم

چور تھا اُس کے دِل میں،

جبھی تو

نقّی بھائی کہہ کر بہت مطمئن ہے

اُسے کیا خبر!

میری بیوی بھی —— میری،

چچیری بہن ہے!

خُود فریبی

نِصف شب ڈھل چکی !

—— میں یہاں —— ایک ہوٹل کی بالائی منزل پہ بیٹھے ہوئے

ہم پیالہ رفیقوں کی صحبت کو سب کچھ سمجھتے ہُوئے

مطمئن ہُوں کہ دُنیا کے نخشے ہُوئے

سارے غم دُھل گئے

اور وہاں —— گھر کی دہلیز پر —— تازہ غم

اپنی آغوش کو وا کیے

منتظر ہیں —— کہ مُحسن یہاں آئے گا !!

کارکُن

اب سُنا ہے کہ "ترجمان" بن کر
بیوی بچّوں کا پیٹ بھرتا ہے
چند زرّیں اصُول کی خاطر
روز و شب جس نے خُون تھوکا تھا

تین دِن پر حرام ہے جائز
—— اور وہ تو جنم کا بھُوکا تھا

معمُول

جانے انجانے لوگوں کو
مہر و وفا کے موتی ،
اور اخلاص کے اُجلے سِکّے دے کر
کیسۂ دِل میں،
اوچھے طنز کے نشتر لے کر
میٹھے بول کے خنجر لے کر
واپس گھر آجاتا ہُوں
روز کا یہ معمُول ہے میرا !

وجہِ بیگانگی....

ایک افسر سے جب میں نے پُوچھا
کہ بھُوپال سے ـــــ آپ کا بھی تعلق رہا ہے؟
تو بولے :
رہا ہے ـــــ مگر،
میں تو چھٹپن میں ہی،
خیر پُور آ گیا تھا!

گرلز کالج کی بس

طاہر بھائی! کچھ تو کہیے
بس والی سے عشق کا حال
کوئی ترقی اب کے سال

رُسوائی اور برسرِ راہ
چاہت کا یہ انجام — آہ
دیکھ کے میرا حالِ تباہ
پہلے — صرف وہی ہنستی تھی
اور اب — ساری بس ہنستی ہے

پھیری والا

بیگم پچھلے ہفتے سے،
شام کے پھیری والوں میں
"لے لو سانچی پان ہرے" کی
کم ہے اِک آواز!

اُس آواز کو اپنے کان اب ترسیں گے
میں بتلانا بھول گئی
اُس کا بیٹا —— باقی پیسے کل ہی لینے آیا تھا!

کمرشل بیوی

"بڑے ساب" سے
ساری باتیں طے کرلی ہیں
آج رات تم جمخانے میں
خُود بھی اُن سے مِل لینا

اور ہاں ،
رُخصت ، ہوتے وقت یہ کہنا
ٹھیکہ "بلیک اسٹار" کو دیں !

ورثہ

آخر کب تک ـــــ بوڑھے پیڑ کے نیچے بیٹھے
بیتے لمحے گنتے رہو گے؟
بوجھل سر سے "ماضی کے احسان" جھٹک کر اٹھو
دیکھو یہ سب کوڑھ کی ماری شاخیں گرنے والی ہیں
اس موٹے بے ڈول تنے کے غار میں جھانکو
ویرانی اپنے بال بکھیرے
اک اک جڑ کو چاٹ رہی ہے

آؤ ـــ اس بے ڈول تنے کے مٹی میں ملنے سے پہلے
اپنی عمر کے پیلے سورج ڈھلنے سے پہلے
اک پودا ہی دیتے جائیں!

تنقیدی نشست

شاہکار فن پرکھنے کے لیے
ایک صدرِ مُحترم ،
اور آٹھ دس اہلِ نظر نے طے کیے
چند تنقیدی اُصول

اور پھر ـــــ ایسا ہُوا
اہلِ نظر ،
اہلِ نظر کو کھا گئے !

انٹلکچول

حُدودِ وقت کو لکھتی تھی ماورائے وقت
گئی رُتوں کے کھُلے پانیوں میں رہتی تھی
نظر میں فرد کی تنہائی کے سبھی رُخ تھے
دُرونِ ذات کو کُل کائنات کہتی تھی

خود اپنے ہونے نہ ہونے کو دیکھنے والی
وہ بے بدل بینائی
شمار یات کے افسر کے عقد میں آئی

شریف آدمی

ندیمؔ نے جسے اصولِ فن سے،
آشنا کیا!
تسلسلِ خیال دے کے جس کی فکر کو،
اثر سے بہرہ ور کیا
جھجک کی برف کاٹ کر زباں کو حوصلہ دیا

جب ایک دن "رپورٹر" نے،
شعر و شخصیت پہ گفتگو سمیٹتے ہوئے،
یہ آخری سوال اُس سے کر دیا:
ندیمؔ قاسمی پہ کوئی رائے دیں
تو اُس نے مُسکرا کے صرف چار لفظ کہہ دیے:
وہ آدمی شریف ہیں!

آسودہ تنکے

(نذرِ سجاد ظہیر)

حوادث کی سرکش چٹانوں سے ٹکرا کے،
جس نے نئی رہگزر دی
جس کی گمبھیر لہروں کی،
خاموش اور نرم رَو سطح پہ بہہ کے،
کتنے سفینے، کئی کشتیاں اور تنکے ــــ سبھی کچھ
نئی زندگی کے نئے راستوں سے شناسا ہوئے

شام کے وقت
جب وہ دریا تھما ہے
تو "آسودہ تنکوں" میں سرگوشیاں ہیں
یہ دریا ــــ غلط بہہ رہا تھا!
یہ دریا ــــ غلط بہہ رہا ہے!!

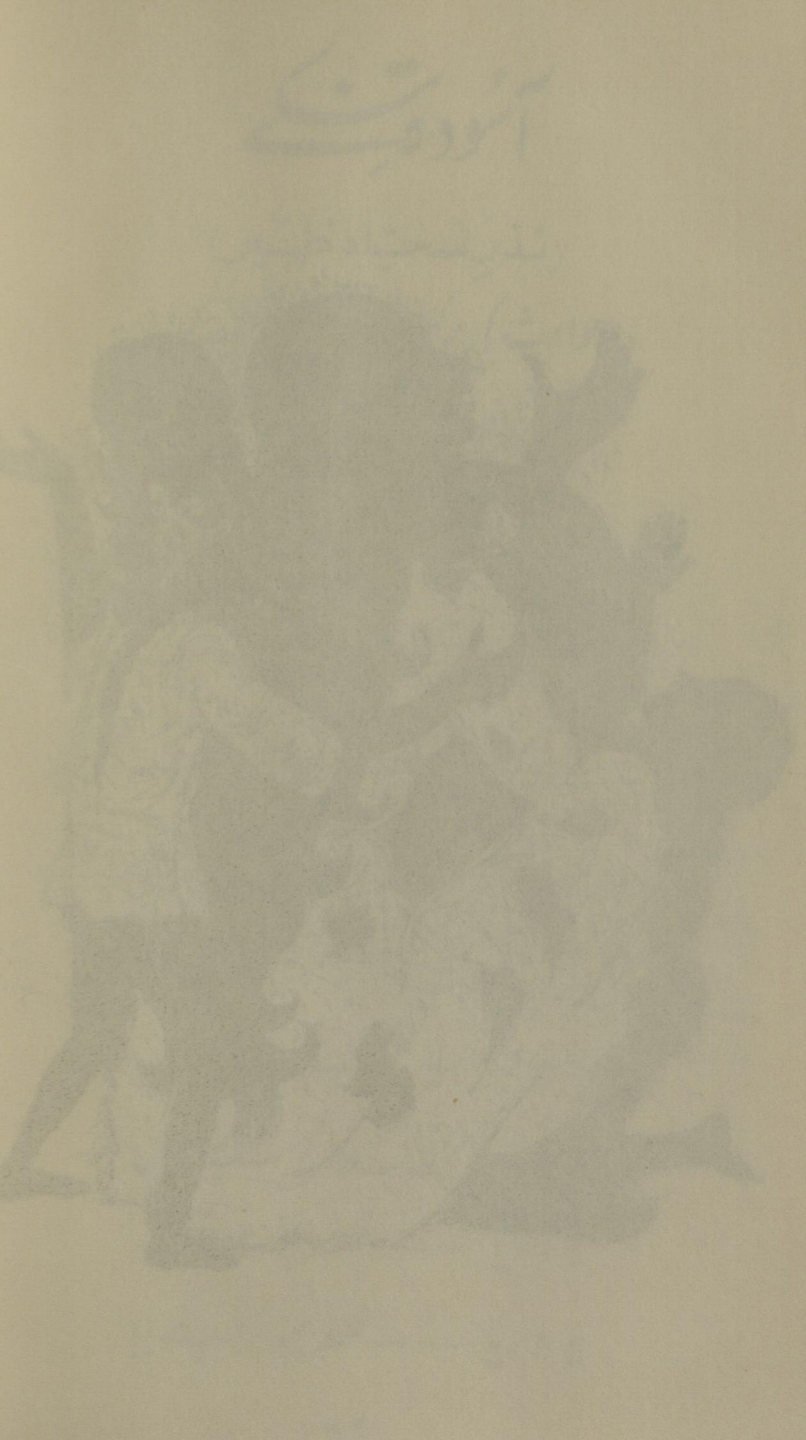

سام۔ راج

وطن دُشمن ایجنٹ کو حکمرانی کا'
پروانہ دے کے — جو خود کو
خداوند سمجھا کیے
اپنی بے پایاں طاقت کے بَل پر
کروڑوں بھیالوں کو — کیڑوں مکوڑوں
کی مانند سمجھا کیے

مشرقی ساحلوں کے قریب
اُن کے — بحری جہاز
انخلا کے لیے — ہاتھ جوڑے ہوُئے
صف بہ صف لنگر انداز ہیں !!

دو ملک — ایک کہانی

ابھی ابھی وہ چاٹگام کے نمبر والی کار
یہاں سے گزری ہے
اُس کے اندر وہی شگفتہ چہرے تھے
وہی رعونت رقصاں تھی

وہاں بھی میری قسمت میں تھی
ایک فٹ پاتھ
اور یہاں بھی "چورنگی" پر
محرومی کے سارے سائے ساتھ میں ہیں
اُمیدوں کے چند غبارے ہاتھ میں ہیں

خُوں بہا

اِدھر زندہ رہنے کے حق کے لیے
اِک ہجُومِ بلاخیز کا سیلِ موّاج
غیظ و غضب احتجاج

اور اُدھر
اِنتظامی سُہولت کے پیشِ نظر
وارثوں کے لیے،
چیک تیار ہیں!

نیا پکاسو

کل شب اِک سنسان سڑک کے ساتھ
اسکُول کے گیٹ کے پاس،
میں نے اِک لڑکے کو دیکھا
اُس کے ننھّے ہاتھوں میں،
بُرش اور رنگ کا ڈبّہ تھا

مجھ کو دیکھ کے چُپکے سے وہ چلا گیا
لیکن اُس کی سچّی سوچ
الفاظ میں ڈھل کر چیخ رہی تھی
ٹیڑھے میڑھے بھدّے خط میں،
گیٹ پہ اُس نے لکھّا تھا
"نُور احمد کو رہا کرو"!

انتقام

مالک کے گرگوں نے اس کو جتا دیا تھا
"بوائلر" بند ہُوا تو اُس کی خیر نہیں!
پھر بھی ـــــ وہ دھمکی سے بے پروا ہو کر
مشترکہ مقصد کی خاطر ڈٹا رہا

دُوسرے دِن ـــــ جب سُورج نکلا
چمنی کے دُھوئیں میں شامِل تھی
اِنسانی گوشت کی بُو!

بہُروپیا

گرم لاوا — اُگل رہا ہے دہن
مُٹّھیاں بِھنچ رہی ہیں غُصّے میں
تن رہی ہے رگِ گلُو کی طناب

— اور مرا دِل ہے محوِ سرگوشی
ذِکرِ محنت کشاں کو طُول نہ دو
دیر سے اپنے اِنتظار میں ہے
نئی مزدا کی مہرباں آغوش

شرطِ اشتراک

آپ کی اِک اِک بات کا دِل سے قائل ہوں
لیکن میرے بعد کوئی تو گھر پر ہو!
میرا بیٹا بی۔اے کر کے "لا" کر لے
پھر میں شامل ہو جاؤں گا!

انور صاحب! آپ بجا فرماتے ہیں،
لیکن کیا یہ ممکن ہے،
"تحریک" سے کہہ دُوں ـــــ رُک جاؤ!
انور صاحب ـــــ پانچ برس میں،
لوٹ کے آنے والے ہیں!

پہلا انٹرویو

آپ کے ڈیڈی واپس آنے والے ہیں'
آپ بتائیں — اُن کے استقبال کی خاطر
آپ نے کیا کیا سوچا ہے؟

ہم نے ڈرائنگ رُوم کو بالکل بدل دیا ہے
ہر کمرے کو نئے "کلر" میں پینٹ کیا ہے
دروازے پر میں' امّی اور شوکی ہوں گے
شوکی کو "ہسبنڈ" بنا کر
میں اُن کو "سرپرائز" دُوں گی!

جنگی قیدیوں کی واپسی کے موقع پر ٹی وی سے نشر
ہونے والے چند انٹرویوز سے مُتاثّر ہو کر:

دُوسرا انٹرویو

امّاں جی! کچھ آپ بتائیں،
آپ کا بیٹا واپس آنے والا ہے،
آپ نے کیا کیا سوچا ہے؟

میں تو جانوں ـــــ اُس کا آنا سب کچھ ہے
وہ آیا تو ـــــ بھائی کو نوکر کروا دے گا
اور بہن کی مانگ بھرے گا
ہم دونوں کے سر سے پُرانا قرض اُترے گا

کالج الیکشن

اُس کے معصوم دِل کو
خبر ہی کہاں تھی
کہ اُس کے مخالف کے ڈورے
ہیں کِس ہاتھ میں !

ایک دھچکا لگا ،
ذہن چکرا گیا
دُوسرے روز جب
جیتنے والے ساتھی کے نام
سربراہِ جماعت کا تار آ گیا

گُر

بِھیک مانگنے نکلی ہے تو ،
بِھیک کا گُر بھی سِیکھ !

کُھلے بال اور پھٹے کھوے سے ،
کیا دِلچسپی لوگوں کو
اگر گریباں کُھلا رہے
تو پیٹ بھرے !

بھاگاں والی

اُس لڑکی کو،
وقت سے پہلے نام کی خواہش
ہر محفل میں ——
کشاں کشاں لے جاتی تھی
—— اپنی شوخ بیانی سے وہ
ہر "شو" پر چھا جاتی تھی

"شیشے کے اسکرین" سے لیکن،
کئی دِنوں سے غائب ہے
کہنے والے کہتے ہیں
وہ لڑکی اب عورت ہے

حقِ ہمسایہ

شب کی اُجرت،
بوسیدہ صندوق میں رکھ کر،
لَوٹ آئی
اور جاتے جاتے بولی —— ٹھہرو!
چھوٹا پیگ برانڈی کا،
میں اپنے بچّے کو دے لوں
ورنہ رات میں شور کرے گا
اور ہمسائے جاگ اُٹھیں گے!

ندامت کا زخم

میز پہ آکر اُس نے مجھ کو،
شعر سُنائے
میری عادت اور اخلاص کی تعریفیں کیں،
پیگ منگائے
اور میں دِل میں سوچتا جاتا تھا ــــــ
چکنی چُپڑی باتیں کرکے،
کاٹ رہی ہے !

آدھی رات کو ــــــ بیرے سے جب بِل مانگا
تو ہنس کر بولا
آپ کا بِل تو بجمہ دے کر چلی گئی

اُس بازار میں —— رپورٹر

کسی ایک سے —— "اسٹوری" لے

ایک اِک سے احوال نہ پوچھ

—— ناہید ، انجم ، پروین ، ماہ

سب ہیں رات کے ہالے میں !

—— لیکن دِن کے اُجالے میں

اِن چہروں کی تحریر ایک

ان چہروں کی تقدیر ایک

دُو رُوپ

اے سکینہ،

ارے تُو یہاں!

خندۂ زہر آلُود،

ہونٹوں پہ رقصاں ہوا

اجنبیّت کے سم میں بُجھائی ہوئی

جانی پہچانی آواز لہرا گئی

میں تو الماس ہوں!!

مرثیہ

کیفے کے شب رنگ دھندلکوں، خالی میزوں
اور موسیقی کے تیز سُروں کی شہ پر دونوں
خاصے آگے نکل گئے

جذبوں کا طُوفان تھما تو،
اپنے ساتھی سے بولی
ٹھہرو ـــــ "پرس" میں جو رکھی ہے
اِس شیشی میں قہوہ بھر لُوں
امّی جان کو ـــــ
ـــــ ہاسپٹل کا کہہ کر گھر سے آئی تھی!

ٹیڑھا سوال

بیٹے ان کو یُوں حیرت سے مت دیکھو!
یہ "انکل" ہیں ـــــ اُن سے کوئی بات کرو

پرسوں والے ـــــ ٹھنگنے تھے،
کل جو آئے ـــــ دُبلے تھے،
اور یہ ـــــ موٹے تازے ہیں،
امّی آخر میرے کتنے "انکل" ہیں؟

طلب و رسد

باجی! تم کو حیرت کیوں ہے
سارے جگ سے نیارے ہیں
دولت اور ہوس کے کھیل

—— میں تو حکم کا بندہ ہوں
ایکٹنوں کی فرمائش بھی،
مجھ کو پوری کرنا ہے
آج نگینہ بٹیا کو
کالج یونیفارم میں لے کر جاؤں گا!

غمِ نشاط

اِک ماہ وش کو لے کر، ساحل پہ جب وہ پہنچا
جی بھر کے اُس نے مئے پی،
اور موج میں بہک کر، گانے لگا لہک کر،
— تم بھی ہو ساتھ میرے قدرت بھی مہرباں ہے
ہر شے شباب پر ہے اور رات بھی جواں ہے

نشّہ اُتار پر جب آیا تو اُس نے رو کر
دوبارہ گیت چھیڑا
"یہ زندگی کے میلے، دُنیا میں کم نہ ہوں گے"
افسوس ہم نہ ہوں گے"!

نِعمَ البَدَل

—— اچھا! تو یہ تیسری فوٹو والی،
سنو میں آپ کو جچتی ہے
آٹھ بجے —— کل رات —— یہیں لے آؤں گی

میں شرمندہ ہوں
وہ کلموہی —— لمبی کار میں کوہ مری کو چلی گئی
بابُو جی! گر بُرا نہ مانیں —— تو اِک بات کہوں،
میں حاضِر ہُوں!

وہ شخص

اِک جھگی میں لے کر پہنچا ،
"مال" دِکھا کر مجھ سے اُس کی قیمت لی اور چلا گیا
چند ہی لمحوں بعد فضا میں اِک آوازہ گونجا
بھاگو! پولیس آگئی ہے
—— ڈرتے ڈرتے باہر نکلا ،
اور سڑک پر آ کے میں نے اطمینان کا سانس لیا

دُوسرے دِن جب "شو" سے آتے وقت وہی آواز سُنی
تو ٹھٹک گیا!
—— اس آواز کے پاس پہنچ کر دیکھا تو
یہ شخص وہی تھا جو کل مجھ کو لایا تھا
ہم دونوں حیران کھڑے تھے
اور اک "سایہ" روڈ کی جانب بھاگ رہا تھا

دُوسرا اشکار

منتظر — بوجھل قدم — پھر تیز اُٹھنے لگے

عارض کے مُرجھائے کنول — روشن ہوئے

ہونٹوں کی کلیاں کھِل گئیں

اور پھر سے اُن ویران آنکھوں میں،

چمک لوٹ آئی جب

اِک جانا پہچانا اِشارا دے کے نکڑ پر مُڑی

کے ڈبل ٹسی فور ٹو ناین تھری[1]

---

[1] کار کا فرضی نمبر

دِل کا چور

بِھیڑ میں گھُس کر اُس نے دیکھا
کوئی پگلی،
اُبھرے پیٹ پہ ہاتھ مار کر چیخ رہی تھی
—— اُس کے باپ کی موٹر ہے،
اور میرے پاؤں میں چھالے ہیں

اِتنا سُن کر دِل بھر آیا
ایک لمحے کو ٹھٹکا
لیکن نظریں ٹکرانے سے پہلے،
تیزی سے وہ باہر آیا —— "سِیٹ" پہ بیٹھا
اور گاڑی کو موڑ کے آگے نکل گیا!

[م جہ رل]

نظمانے

محسن بھوپالی نے ایک نئی صنفِ سخن کی داغ بیل ڈالی ہے، اور اس کا نام "نظمانہ" رکھا ہے۔ یہ ایک تجربہ ہے جو روایت کی صورت بھی اختیار کر سکتا ہے۔ کیونکہ اُردو کی جدید شاعری اس مزاج اور انداز سے نا آشنا نہیں ہے، جس پر محسن نے اس صنف کی بنیاد رکھی ہے رمز و ایمائی کیفیت، ایجاز و اختصار اور ایک ڈرامائی شان اِن نظمانوں کی وہ خصوصیات ہیں جو حواس پر گہرے نقوش ثبت کرتی ہیں اِسی انداز کے ساتھ انسانی زندگی کی بنیادی اور اہم حقیقتوں کی ترجمانی اِن نظمانوں میں بڑے سلیقے سے کی گئی ہے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی

"نظمانے" — محسن بھوپالی کی شاعری میں ایک زندہ تجربے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی نظمیں ہیں اور غالباً اِسی رعایت سے محسن نے انھیں "نظمانہ" کا نام دیا ہے۔ اس نوع کی مختصر نظمیں، جن میں افسانوی رنگ پایا جاتا ہے، اردو میں مل جاتی ہیں۔ مگر باقاعدگی کے ساتھ ایسی نظموں سے روشناس کرانے میں غالباً محسن نے پہل کی ہے۔

رُباعی کی طرح ان نظموں کی کامیابی اس میں ہے کہ کس طرح شاعر ایک پھیلی ہوئی کہانی کو سمیٹ کر ڈرامائی اختتام تک لے جاتا ہے، اور قاری پر ایک خوشگوار اچنبھے کا تاثر چھوڑنے کے ساتھ ہی کہانی کے خدوخال واضح کر دیتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ اس کے لئے ایک شخص میں اس شاعر، اور، افسانہ نگار میں مکمل تعاون اور یک دِلی کی ضرورت ہے، جو اس قسم کی نظموں کا تجربہ کرنا چاہتا ہو —— جودتِ طبع، اظہار کی بے باکی — اور نظر کی صفائی ان نظموں کی تکمیل کا باعث بنتی ہے

محسن بھوپالی میں طبع کی دَراکی، صاف گوئی، اور نظر کی صفائی سب کچھ موجود ہے۔ اسی لئے نظمانے کی ہر مختصر نظم ایک مختصر مگر بلیغ افسانہ بھی ہے، اور، اُردو شعری تجربے کی نئی سمتوں کی طرف اشارہ بھی۔

پروفیسر مجتبیٰ حسین